۱۹

اللہ تعالیٰ کا حقیقی عبد بننے کی کوشش کرو

(فرمودہ یکم جون ۱۹۳۴ء- بمقام لاہور)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

میری طبیعت صبح سے نزلہ، زکام اور سردرد کی وجہ سے خراب ہے- اور میرا ارادہ تھا کہ میں نماز گھر پر ہی ادا کروں مگر پھر اس خیال سے کہ بہت سے دوست بیرونجات سے بھی آئے ہوئے ہیں، میں نے مناسب سمجھا کہ مسجد میں ہی نماز ادا کروں اور اختصار کے ساتھ خطبہ پڑھ دوں-

مجھے یہاں کی جماعت کے سیکرٹری تبلیغ کی طرف سے رپورٹ ملی ہے کہ لاہور کی جماعت نے میری ہدایات کے ماتحت تبلیغ کا کام شروع کردیا ہے اور گو تفصیلی رپورٹ مجھے نہیں ملی تا میں اندازہ کرسکوں کہ جو ہدایات میں نے دی تھیں اور تبلیغ کا نظام جو میں نے مقرر کیا ہے اسی کے مطابق کام شروع کیا گیا ہے یا اس سے علیحدہ مگر بہرحال جو رپورٹ ملی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوستوں نے تبلیغی امور کی طرف توجہ کرلی ہے اور اگر اسی طرح کام کیا گیا تو نہ صرف اس سے اِنْشَاءَ اللّٰہُ جماعت کی ترقی ہوگی بلکہ خود جماعت کے دوست اپنے اندر اصلاح اور تزکیہ نفوس بھی محسوس کریں گے- درحقیقت اللہ تعالیٰ نے ہمیں دُنیا میں جس غرض کیلئے پَیدا کیا ہے، وُہ یہ ہے کہ ہم اپنی اصلاح کرتے ہوئے اس مقام تک پہنچ جائیں کہ اللہ تعالیٰ کے حقیقی عبد کہلاسکیں- اگر یہ مقصد حاصل نہیں ہوتا تو پَیدائش کی غرض پوری نہیں ہوسکتی- وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ [1] میں اللہ تعالیٰ نے

یہی امر بیان فرمایا ہے کہ انسانی پیدائش کی غرض اس کا عبد بننا ہے اور عبودیت کا اظہار صرف قول سے نہیں بلکہ فعل سے بھی ہوا کرتا ہے- پس اگر ہم خدا تعالیٰ کے عبد ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ہماری عبودیت کا اظہار دُنیا پر نہ ہو اور لوگ یہ محسوس نہ کریں کہ ہمارا کسی بالا ہستی کے ساتھ تعلق ہے- اس لحاظ سے ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ ہمیں دیکھنے اور ہماری حرکات و سکنات کا مطالعہ کرنے والے لوگ ہمارے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں- کیا وہ ہمیں دیکھ کر یہ اقرار کرتے ہیں کہ ان لوگوں کا کسی بالا ہستی سے تعلق ہے جس کی وجہ سے ان کی زندگی کی کایا پلٹ گئی یا نہیں- اگر ہمارے اعمال کو قریب سے دیکھنے والے اپنے دلوں میں یہ محسوس کرتے ہیں اور وہ ہماری چال ڈھال، اُٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے پر نظر رکھ کر اس حقیقت کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ یہ اپنا ہاتھ کسی اور کے ہاتھ میں دے چکے ہیں' یہ زمینی نہیں بلکہ آسمانی نفوس بن گئے ہیں تو ہم خوش ہوسکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ واقعہ میں ہم نے اپنا فرض ادا کردیا لیکن اگر ہمارے اعمال لوگوں کو بغیر ایک لفظ سننے کے یہ یقین نہیں دلاتے کہ ہم کسی اور ہستی کے غلام ہیں جس کے ہر حکم کے نیچے ہماری گردنیں جھکی ہوئی ہیں تو ہمارے منہ کے دعوے ہمیں کبھی نجات نہیں دلاسکتے-

یاد رکھو منہ کا دعویٰ جس کے ساتھ عمل نہ ہو اگر کچھ ثابت کرسکتا ہے تو یہ کہ ایسا انسان پاگل ہے کیونکہ پاگل بھی بڑے بڑے دعوے کرتا ہے مگر اس میں حقیقت نہیں ہوتی- مجھے یاد ہے ایک دفعہ مَیں پاگل خانہ دیکھنے گیا- وہاں مجھے کئی قسم کے پاگل دیکھنے کا اتفاق ہوا- ان میں سے ایک کو میں نے دیکھا کہ اُس نے اپنے اردگرد ٹھیکریوں کا ڈھیر لگایا ہوا تھا' اور سمجھ رہا تھا کہ اس کے پاس بہت بڑا خزانہ ہے اور وہ دُنیا کا بادشاہ ہے- اس کے مقابلہ میں ہم ایک بادشاہ کو دیکھتے ہیں وہ بھی سمجھتا ہے کہ اس کے پاس خزانہ ہے اور وہ دُنیا کا بادشاہ ہے- مگر دونوں میں کتنا عظیم الشان فرق ہے- پاگل بھی کہتا ہے کہ میں بادشاہ ہوں اور بادشاہ بھی کہتا ہے کہ میں بادشاہ ہوں- ان دونوں میں اگر کچھ فرق ہے تو یہ کہ ایک خالی منہ سے دعویٰ کرتا ہے- اور دوسرا صرف دعویٰ ہی نہیں' اس کا ثبوت بھی پیش کرتا ہے- غرض جب پاگل کے معنے ہی یہ ہوتے ہیں کہ وہ ایسا دعویٰ کرتا ہے جس میں حقیقت نہیں ہوتی تو اسی طرح اگر واقعہ میں ہم کہتے ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ کے بندے ہیں مگر اس کی بندگی کا ثبوت پیش نہیں کرتے تو ہمارا یہ دعویٰ بھی ہمیں پاگل نہیں تو اور کیا ثابت کرے گا- غلام کبھی آقا کے حکم کا انکار

نہیں کرسکتا بلکہ جو بھی حکم دیا جائے اسے بجالاتا ہے- یہی امر ہمیں مدنظر رکھنا چاہیئے اور ہماری ہر حرکت وسکون اللہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت ہونی چاہیئے- ورنہ اگر یہ حقیقت ہمارے اعمال میں موجود نہیں اور نہ عبودیت ہمارے چہرہ پر ظاہر ہوتی ہے تو یقیناً ہمارا بے بنیاد دعویٰ ہمیں پاگلوں میں شمار کرے گا لیکن جب یہ حالت نہ ہو اور دعوے صرف زبان تک محدود نہ ہوں بلکہ عملی ثبوت اس کے ساتھ موجود ہوں تو انسان کی حالت بالکل بدل جاتی ہے اور وہ حقیقی عبودیت کے اظہار کیلئے بے اختیار ہوجاتا ہے- صحابہؓ کا ہی ایک واقعہ تاریخوں میں مذکور ہے جس سے ان کی عبودیت کا ثبوت ملتا ہے-

غزوہ حنین کے موقع پر کچھ ایسے لوگ مسلمانوں میں شامل ہوگئے تھے جو درحقیقت مسلمان نہیں تھے یا ابھی نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے تھے- فتح مکہ کے بعد جبکہ ثقیف اور ہوازن وغیرہ سے طائف کے قریب مقابلہ ہوا تو اس وقت مکہ کے ان لوگوں نے جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے' خواہش ظاہر کی کہ انہیں بھی جنگ کرنے والوں میں شامل کیا جائے بعض غیرمسلم بھی مسلمانوں کے زیر اثر ان کے ساتھ شریک ہوگئے- چونکہ نئے مسلمان وہ اخلاص نہیں رکھتے تھے جو خداتعالیٰ کی تائید اور اس کی نصرت کو جذب کرسکتا ہے اور کافر تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مؤیّد ہونے کے مقام سے بہت دور ہوتا ہے- نتیجہ یہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ وہ یہ کہتے ہوئے گئے کہ آج ہم میدان جنگ میں اپنی بہادری دکھائیں گے اور بتلائیں گے کہ جرأت کسے کہتے ہیں- ان بہادروں نے یہ کیا کہ جب ثقیف اور ہوازن کے تیراندازوں نے مسلمانوں کے لشکر پر تیروں کی بوچھاڑ ڈالی تو ان کے گھوڑے اور اونٹ وغیرہ بِدکنے لگے اور ڈر کر پیچھے کی طرف بھاگے- لازمی طور پر اس کا یہ نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کی صفیں ٹوٹ جائیں چنانچہ تمام صفیں ٹوٹ گئیں- صحابہ کے اونٹ اور گھوڑے بھی ڈر کے مارے میدانِ جنگ سے بھاگ نکلے اور میدان خالی ہونا شروع ہوگیا یہاں تک کہ صرف بارہ صحابہ رسول کریم ﷺ کے پاس رہ گئے- اُس وقت دشمن کی تعداد چارہزار کے قریب تھی اور وہ برابر تیراندازی میں مصروف تھا- صحابہ نے جب یہ حالت دیکھی تو انہوں نے رسول کریم ﷺ سے عرض کیا کہ یَارَسُوْلَ اللہ! اب ٹھہرنے کا موقع نہیں- اور بعضوں نے تو رسول کریم ﷺ کے گھوڑے کی باگ پکڑلی اور عرض کیا اب حضور کو آگے نہیں بڑھنا چاہیئے- مگر رسول کریم ﷺ نے فرمایا مجھے چھوڑ دو- پھر آپ نے گھوڑے کو ایڑ لگاتے ہوئے

دشمن کی طرف بڑھایا- اور فرمایا

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ　　اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ ؎۲

میں خدا کا سچا نبی ہوں جس میں جھوٹ نہیں- مگر چونکہ یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ چار ہزار کی تعداد میں دشمن سامنے ہے اور وہ برابر تیراندازی میں مصروف ہے' صرف بارہ آدمی رسول کریم ﷺ کے اردگرد رہ جاتے ہیں اور وہ آپ سے عرض کرتے ہیں کہ اب آگے بڑھنا مناسب نہیں مگر باوجود اس کے آپ بڑھتے چلے جارہے ہیں تو ممکن ہے آپ میں انسانیت سے بالا کوئی بات ہو اس لئے فرمایا- اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ- میرے اندر کوئی خدائی طاقتیں نہیں میں تو صرف عبدالمطلب کا بیٹا ہوں- اُس وقت جب صرف بارہ آدمی رسول کریم ﷺ کے پاس رہ گئے آپ نے حضرت عباسؓ کو بلایا- ان کی آواز بہت بلند تھی- جب وہ آگئے تو آپ نے فرمایا- اے عباس! بلند آواز سے پکارو کہ اے انصار! خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے- یہ وقت تھا جس میں صحابہ کو عبودیت کے اظہار کا موقع ملا کیونکہ لشکر منتشر ہو چکا تھا اور افراد پراگندہ ہو چکے تھے' اونٹ اور گھوڑے اور دوسرے جانور بھاگے چلے جارہے تھے- اور اس قسم کا ان پر خوف طاری تھا کہ وہ واپس لَوٹنے کیلئے تیار نہ تھے- ایسے نازک موقع پر جبکہ منتشر شدہ لشکر کا دوبارہ جمع ہونا بظاہر ناممکن اور محال نظر آتا تھا- جب حضرت عباسؓ نے آواز دی کہ اے انصار! خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے تو خدا کے رسول کی آواز سنتے ہی صحابہ کھڑے ہوگئے- ایک صحابی کی روایت ہے کہ اُس وقت لشکر میں اس قسم کا تہلکہ مچا ہوا تھا کہ ہم اپنے گھوڑوں کو لَوٹاتے مگر وہ پیچھے نہ لَوٹتے- ہم باگیں کھینچتے اور پورے زور سے کھینچتے یہاں تک کہ جانور کا سر اُن کی دُم سے جاملتا- مگر باوجود اس کے جب لگام ذرا ڈھیلی ہوتی' وہ آگے کو بھاگ پڑتے- اس صحابی کا بیان ہے- جب ہمیں یہ آواز سنائی دی کہ اے انصار! خدا کا رسول تمہیں بلاتا ہے تو ہمیں یوں معلوم ہوا کہ ہم دنیا میں نہیں بلکہ مرچکے ہیں اور میدانِ حشر میں کھڑے ہیں اور صورِ اسرافیل پھونکا جارہا ہے اور کہا جارہا ہے کہ اے مُردو! ہمارے پاس آجاؤ- یہ آواز سنتے ہی ہم میں ایک نیا جذبہ اور نیا رنگ پیدا ہوگیا- جو لوگ اپنے اونٹوں اور گھوڑں کو واپس لَوٹا سکے' انہوں نے واپس لَوٹا کر اور جنہوں نے یہ دیکھا کہ ان کی سواریاں مُڑنے کیلئے تیار نہیں تو سواریوں کی گردنیں اُڑا کر لبیک کہتے ہوئے اس آواز پر جمع ہوگئے اور چند منٹ کے اندر اندر ہی میدانِ جنگ صحابہ سے بھر گیا؎۳ -

یہ وہ عبودیت ہے جس کا صحابہؓ نے اظہار کیا کہ جس وقت خداتعالیٰ کے رسول کی آواز سنائی دی' وہ فوراً واپس لَوٹ پڑے- اور اگر کسی کا اونٹ یا گھوڑا نہیں لَوٹا تو اس نے اس کی گردن کاٹ دی- یہی چیز بتاتی ہے کہ عبد حقیقی وہی ہے جو خدا اور اس کے رسول کی آواز سن کر فوراً اس کے پیچھے چل پڑے- ورنہ اگر آواز آتی رہتی ہے مگر وہ اس کی پرواہ نہیں کرتا تو وہ عبد کہلانے کا مستحق نہیں ہوسکتا- دنیا میں بھی دیکھ لو وہی ملازم قابلِ قدر سمجھا جاتا ہے جو اپنے آقا کی فرمانبرداری کرتا اور اس کی آواز کو سن کر اس پر عمل کرتا ہے ورنہ اگر کوئی فرمانبرداری نہ کرے تو وہ آقا کی نظروں سے گر جاتا ہے- پس حقیقی عبودیت پیدا کرنا ہمارا کام ہے- جب تک ہم اپنے اندر یہ والہیّت اور قربانی کی روح نہیں پاتے کہ خدا کی آواز سن کر اس کے پیچھے چل پڑیں- اور چاہے تصنع سے ہی کام کریں مگر حکم کو بجالائیں اُس وقت تک ہمیں اپنی پیدائش کا مقصد بھی حاصل نہیں ہوسکتا- اول تو ہماری یہی خواہش ہونی چاہیئے کہ ہم دلی اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بجالائیں اور اس کے فرائض کی بجاآوری میں کسی قسم کی تنگی یا کبیدگی محسوس نہ کریں لیکن اگر ایک وقت یہ درجہ حاصل نہیں ہوتا تو انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ تصنّع ہی سے فرائض سرانجام دے- آہستہ آہستہ وہ مقام بھی حاصل ہوجائے گا جب دلی بشاشت کے ساتھ امور سرزد ہوں گے اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰ ۃ والسلام فرمایا کرتے تھے کہ اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ دعا کے وقت حقیقی تضرّع اس میں پیدا نہیں ہوتا تو وہ مصنوعی طور پر رونے کی کوشش کرے اور اگر وہ ایسا کرے گا تو اس کے نتیجہ میں حقیقی رقّت بھی پیدا ہوجائے گی-

پس اگر کسی میں واقعی لِلّٰہِیَّت نہیں تو وہ مصنوعی رنگ میں اسے پیدا کرنے کی کوشش کرے اور جس وقت نیکی کیلئے کوئی آواز آئے اس پر عمل کرے- پھر سچ مُچ اس میں حقیقت بھی پیدا ہوجائے گی- پس سب سے پہلے عبودیت پیدا کرو اور اگر ایک وقت عبودیت نہیں تو تعبّد اور تصنّع سے ہی نیکی کے کام کرو- یہاں تک کہ حقیقی عبودیت پیدا ہوجائے- یہ چیز ہے جس کے حصول کی طرف میں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں تبلیغ بھی اسی خدائی آواز میں شامل ہے اور اس کیلئے بھی ایک جنون اور عشق کی ضرورت ہے- جب تک جنون نہ ہو' عشق اور والہیت نہ ہو' اُس وقت تک اس پہلو میں انسان کامیاب نہیں ہوسکتا- یاد رکھو دنیا میں کبھی دلیل اور عقل نے اصلاح نہیں کی جب بھی دنیا کی اصلاح ہوئی' عشق سے ہوئی- انسانی حالتوں

میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ عشق و محبت سے بعض دفعہ انسان وہ کچھ کرجاتا ہے جو دوسری صورتوں میں ہرگز نہیں کرسکتا- ایک عورت کے متعلق مشہور ہے کہ اس کا بچہ عقاب لے گیا اور ایک پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھ گیا- جب اس عورت کو معلوم ہوا تو وہ دیوانہ وار دوڑی اور اس پہاڑ پر چڑھ گئی- چوٹی پر پہنچ کر جب اس نے بچہ کو لے لیا اور اس کے ہوش وحواس ٹھکانے آئے تو اس نے چلّانا شروع کردیا کہ مجھے کسی طرح نیچے اُتارا جائے حالانکہ چڑھنا مشکل ہوتا ہے اور اُترنا آسان-مگر اس کیلئے دشوار گزار پہاڑی پر چڑھنا آسان ہوگیا اور اُترنا مشکل- آخر لوگوں نے بڑی مشکلوں سے اسے نیچے اُتارا- جب دنیا کی چھوٹی چھوٹی محبتیں اس قسم کا تغیر پیدا کردیتی ہیں کہ انہیں دیکھ کر حیرت آتی ہے تو اگر اللہ تعالیٰ کا عشق ہمارے دلوں میں پیدا ہوجائے تو کیوں اس سے دنیا میں عظیم الشان تغیر پیدا نہیں کیا جاسکتا- پس اصل چیز جس کے ساتھ دنیا کے مُردہ جسم میں زندگی کی روح ڈالی جاسکتی ہے اور جس سے تغیّرِ عظیم پیدا کیا جاسکتا ہے وہ عشق اور محبتِ الٰہی ہے- یہی پیدا کرنے والی چیز ہے اور جب یہ پیدا ہوجائے تو پھر نصیحتوں کی ضرورت نہیں رہتی- کون ماں کو یہ نصیحت کیا کرتا ہے کہ جب تیرا بچہ بیمار ہو تو اس کی خبرگیری کیا کر' بھوک لگے تو اسے دودھ پلایا کر' گندہ ہوجائے تو اسے نہلایا کر- ہر ماں یہ کام کرتی ہے مگر اس لئے نہیں کہ کوئی اسے کہتا ہے بلکہ اس لئے کہ اس کے دل میں بچہ کی محبت پیدا ہوجاتی ہے اور محبت خودبخود تمام کام کراتی چلی جاتی ہے-

مَیں جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ سچا عبد بننے کی کوشش کرے' اللہ تعالیٰ کی محبت دل میں پیدا کرے' یہاں تک کہ محبت الٰہی ہر چیز پر غالب آجائے- جب محبتِ الٰہی کا انسانی دل پر غلبہ ہوجائے تو پھر تقویٰ بھی پیدا ہوجاتا ہے' صفائی قلب بھی پیدا ہوجاتی ہے' رقّت اور گداز بھی پیدا ہوجاتا ہے' تبدیلیٔ اعمال بھی پیدا ہوجاتی ہے' ذہن میں بھی صفائی آجاتی ہے' عقل میں بھی تیزی آجاتی ہے اور پھر انسان کی ہمت بلند' حوصلہ وسیع اور ارادے پختہ ہوجاتے ہیں- اور اگر عشق نہ ہو تو ایسا انسان سُست بیل کی طرح ہوتا ہے کہ جب تک اسے چابک لگتا رہے' وہ چلتا رہتا ہے اور جب چابک مارنا چھوڑ دو تو وہ ٹھہر جاتا ہے- ایسے بیل کو کون زمیندار پسند کرتا ہے- اسی طرح اس بندے کو بھی اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا جسے نصیحت ہوتی رہے تو کام کرتا رہے اور جب ذرا سی دیر کیلئے یاد دہانی ترک کردی جائے تو وہ کام کاج چھوڑ کر بیٹھ جائے- ایسے انسان کو نہ خود فائدہ ہوتا ہے اور نہ اس کا آقا ہی اس پر خوش ہوتا ہے کیونکہ

حقیقی تعلق وہی ہے جس میں یاددہانی کی ضرورت نہ ہو اور انسان برابر کام کرتا چلا جائے۔ یہ چیز ہے جسے پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور یہی چیز ہے جس کے ذریعہ دنیا میں نیک تغیر پیدا کیا جاسکتا ہے۔

(الفضل ۷ - جون ۱۹۳۴ء)

۱؎ الذّٰریٰت:۵۷

۲؎ بخاری کتاب المغازی باب قول اللّٰہ تعالٰی "ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم" + مسلم کتاب الجهاد والسیر باب فی غزوة حنین + سیرة ابن هشام الجزء الرابع صفحه ۶۶ دارالجلیل بیروت ۱۹۸۷ء